انسانی اخلاقی اقدار اور فکرِ اقبالؒ

Hassan Baig
Lecturer of Islamic Studies
Department of Islamic Studies, GC University Faisalabad, Sahiwal Campus
Presenter Email: hassan.capricon90@gmail.com

خلاصہ:

انسان کامل کی سب سے بڑی عبادت یہ ہے ،کہ وہ دنیا کو سنوارے اور سچائی کو اہل جہاں میں پھیلائے۔بری عادات اور رسومات کی بیخ کنی کرے اور اچھے قواعد و قوانین کو لوگوں میں رائج کرے۔بنیادی طور پر اقبال کا نظام فکر،اصول وحدت پر استوار ہے۔جہاں مختلف علوم وفنون سے کشید کیا ہواہے علم،کل(Whole) میں اگر جذب ہوجاتاہے۔وہ ہر کارآمد خیال و نظریے کوجذبے اور فکر کی دھیمی آنچ پر پکانے کے بعد اپنے نظام فکر کا حصہ بنا لیتے ہیں۔اس ایجابی عمل کے دوران تقلید اور بھیڑچال پر مشتمل فکری اصنام پاش پاش ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ایسے تمام سلبی تصورات کوایک قلم سے مسترد کردیاگیا،جو انسان کی فکری نشوونما میں سّم قاتل بنے ہوئے تھے،جو اقبال کی فکر کا آئینہ روشن اور پائیدار ہے,جو کوئی اس آئینہ میں جھانکے گاوہ اشیاء کے اصل خدوخال اور اقدار کو دیکھے گا۔

کلیدی الفاظ:

بیخ کنی،آئینہ روشن سچائی، سّم قاتل،سلبی تصورات،ایجابی عمل،کشید کیا ہوا علم،نظام فکر

اخلاقی تعلیمات اسلام کا ایک اہم عنصر ہے۔اسلام کی بنیاد اخلاقِ حسنہ پر ہے۔حضورنبی اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ کو رول ماڈل قرار دیا گیا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"و انک لعلی خلق عظیم" (۱)

ترجمہ: بلاشعبہ آپ ﷺ عظیم الشان اخلاق کریمہ کے حامل ہیں۔حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی اپنی بعثت کامقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

" انمابعثت لا تمم حسن الاخلاق" (۲)

ترجمہ: میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔حسن اخلاق کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث پاک سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ، حضرت ابوالدرداء روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"ما شیء اثقل فی میزان المومن یوم القیامہ من خلق حسن " (۳)

ترجمہ: کوئی چیز جو قیامت والے دن مومن کے حساب کے ترازو میں رکھی جائے گی، حسن اخلاق سے زیادہ بھاری نہیں ہو گی۔امام غزالی اخلاق کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فالخلق عبارۃعن ھیئۃ فی النفس راسخۃ عنھاتصدرالا فعال بسھولۃ ویسر من غیرحاجۃالی فکر وروےۃ فان کانت الھیئۃ بحیث تصدر عنھاالافعال لجمیلۃ المحمودۃ عقلا و شرعا سمیت تلک الھیئۃخلقا حسنا وان کان الصادرعنھا الافعال القبیحۃ سمیت الھیئۃ التی ھی المصدرخلقا سئیا " (۴)

ترجمہ: خلق نفس کی اس ہیئت راسخہ کا نام ہے جس سے تمام افعال بلا تکلیف صادر ہوں گے ، اگر یہ افعال عقلاً یا شرعاً عمدہ اور قابل تعریف ہوں تو اس ہیئت کو خلق نیک اور اگر برے اور قابل مذمت ہوں تو اس ہیئت کو خلق بد کہتے ہیں۔

یعنی انسان کے اخلاق سے ہی اسکی شخصیت کا پتہ چلتا ہے ، انسان کا اٹھنا،بیٹھنا،بول چال پہننا ، اوڑھنا اسکے اخلاق و تہذیب کی ترجمانی کرتا ہے اور وہ معاشرے میں ایک کامیاب انسان کے طور پر سامنے آتا ہے۔انسان اپنے اچھے اخلاق کی بنیاد پر نہ صرف دنیا بلکہ آخرت میں بھی کامیابی کی ضمانت حاصل کر لیتا ہے۔

اخلاقی اقدار کے تصور میں علامہ کا موقف بڑا واضح ہے،علامہ محمد اقبالؒ نہ تو دنیاوی درویش کی طرح تھے کہ جن کی زبان ذاکر،دل غافل اور عمل مخالف ہو اور نہ خشک فلسفیوں اور منطقیوں کی طرح شب و روز عقل میں گم رہتے تھے کہ عمل اور اخلاق کا کا گزر ہی جن کے پاس سے نہیں ہوتااورنہ ایسے کہ قلم اور کاغذ میں ایسے وابستہ کہ دفتروں کہ دفتر سیاہ کر نے میں صرف کر دیں اور نہ ہی ان گمراہ شاعروں کی طرح جو، داد حاصل کرنے کیلیے مارے مارے پھرتے

رہیں۔حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبال ؒعمل کے انسان اور پیکر اخلاق حسنہ تھے۔سوانحی اقبالیاتی ادب کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقبال پیکر اخلاقِ کریمانہ کی علمی و عملی صورت تھے۔

اقبال کا تصور اور اخلاقی اقدار:

علامہ محمداقبال مغربی جامعات میں علم حاصل کرنے ضرور گئے، لیکن مغربی تہذیب اور اخلاق واثرات ان پر اثر انداز نہ ہو سکے۔جن آنکھوں میں مدینہ کی چمک اور فکر نجف ہو،ان کو تہذیبی فسوں کاری خیرہ نہیں کر سکتی۔وہ دسترخوان علم و اخلاقِ مصطفوی اور مرتضوی پہ بیٹھنے والے تھے،وہ مغرب کے دیوانے نہ تھے،وہ اسی نظام اخلاقیات کے معلم و پرچارک تھے۔کلام و فکر اقبال کا متعدد حصہ اخلاقِ حسنہ پر مشتمل ہے۔فکر اقبال کے دو تصورات ہیں،جو انکی شاعری میں جابجا ملتے ہیں۔

1)تصور مردِ مومن

2) تصورِ خودی

علامہ اقبال کو اپنے عہد کی شخصیات میں ایک آفاق شاعر کا مقام حاصل ہے۔اقبال کے تصور اخلاق کا مرکزی نقطہ تصور خودی ہے۔جس میں انہوں نے چار بنیادی اخلاقی اقدارعشق،فکر،جرات اور حریت کا پیغام دیا۔انہوں نے استحکام خودی،اثبات خودی اور خودی کی نفی کو قرآن مجید کی ہدایت کی روشنی میں اسلامی اور مغربی روایات کے مطابق جدید انداز میں پیش کیا۔اقبال کے تصور اخلاق کی تمام تر اٹھان اور مآخذ دراصل انسان،خدا اور کائنات کے وجود میں آنے سے لیکر بقائے دوام اورآزادی کے تناظر میں ہے۔اقبال کو انہی فکر ی، اخلاقی بنیادوں کی بنا پر ممدوح عالم بھی کہا جاتا ہے۔قرآن کریم، علامہ اقبال کے فلسفہ اخلاق کا بنیادی ذریعہ اور موضوع ہے۔

مزید برآں،انسان پیدائشی طور پر تو صحیح فطرت کا مالک ہوتا ہے لیکن حالت و واقعات اسے اچھا یا بڑا بنا دیتے ہیں،دراصل یہ اسکی مرضی اور ارادہ پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کیا بننا چاہتا ہے۔فکر اقبال حقیقتاً خدا اور رسول کی تعلیمات پر عمل پیراں ہونے کا نام ہے اور یہی اقبال کا تصور اخلاق ہے۔اقبال کے نزدیک عمل کرنا خیر ہے اور جمود کا شکار ہونا شر ہے۔اقبال انسان کو اسلامی تعلیمات میں رنگ کر کامل انسان بنانا چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر جاوید اقبال نے اپنی کتاب"افکار اقبال، تشریحات جاوید" اس نقطہ نظر کی یوں وضاحت کرتے ہیں "اقبال اخلاق محمدی ﷺ اپنانے پر زور دیتے ہیں کیونکہ آپ ہی وہ کامل نمونہ ہیں جس کا اخلاق اک رول ماڈل کے طور پر اپنایاجاسکتا ہے اور یوں قوموں کے اجتمائی کردار میں حسن و جمال کی کیفیت پیدا کی جا سکتی ہے۔اس سلسلے میں اقبال اپنی جوانی کا ایک واقعہ بھی بیان کرتے ہیں،جب آپ نے غصے میں آکر کسی بھکاری کو لاٹھی ماری اور آپ کے والد نے نہایت موثر انداز میں آپ کو اخلاق محمدی ﷺ اپنانے کی نصیحت کی(۵)"علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ"قرآن کریم کے ہر صفحے پر انسان کو مشاہدے اور تجربے کے ذریعے علم حاصل کرنے کی تلقین کی گئی ہے ،تاکہ دنیا کے رازوں پر سے پردہ اٹھایا جا سکے۔چناں‌چہ قرآن پاک تو صاف الفاظ میں انسانوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ اگر وہ قوائے فطرت پر غلبہ حاصل کر لیں‌توستاروں سے بھی پرے جانے کہ قابل ہوا جا سکتا ہے۔

علامہ اقبال کے تصور اخلاق میں حرکت و عمل کو بھی خصوصی اہمیت حاصل ہے ،کیونکہ جمود کا شکار انسان لاتعلق اور بے حس و حرکت،کمزور خودی کو جنم دیتا ہے اور معاشرے میں یہی بگاڑ اورانتشار ہے جبکہ حرکت و عمل انسان کو بلند مرتبہ بناتا ہے،اس لیے عمل پیراں ہونے والا ایک مزدور اس زمیندار سے ہزار درجہ زیادہ بہتر ہے جو کسانوں پر ستم کرتا ہے۔جس سے کھیتی ویران ہو جاتی ہے۔

حضرت اقبال فرماتے ہیں:

خواجہ از خون رگ مزدور ساز لعل ناب

از جفائے داہ خدایاں‌کشت دہقانان خراب (٦)

ترجمہ: سالک مزدور کی رگوں سے خون کے محل بنا رہا ہے ،بڑے زمینداروں کے ستم سے کسانوں کی کھیتی ویران ہے۔اقبال کا تصور اخلاق در اصل انسان کو نئی آرزئوں کی تمنا و شوق دلا کر قوم کو بیداری وعزم کا اشتیاق دلانے کی طرف گامزن کرتے ہیں۔

اقبالؒ کی شاعری اور انسانی اقدار:

اقبال مستقبل کے شاعر مانے جاتے ہیں۔ان کی شاعری میں روشن مستقبل کی جھلک نظر آتی تھی ،اقبال نے اپنی شاعری میں نوجوان نسل کو حسن اخلاق کا سبق دینے کاموثر کردار ادا کیا۔اقبال

نے اپنی شاعری میں نوجوانوں کو بیدار کرنے کیلیے اُن کو اپنے مستقبل کو سنوارنے کیلیئے اُبھارا،ان کو یقین تھاکہ، نوجوان ہی ان کی آرزوئوں کے چراغ،ان کی امیدوں کے آفتاب ومہتاب ہیں۔

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی(۷)

اقبالؒ کے مثالی معاشرے کی نوعیت اور انسانی اقدار:

اپنی شاعری اور فلسفیانہ تحریروں کے ذریعے اقبال ذات، خودی اور خود شناسی کے ذریعے انفرادی اور اجتماعی سطحوں پر ،انسان کی رفعت پر،آدمی کے تغیر و تقلب اور فلاح پر مستحکم یقین رکھنے والے کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے اپنے تصورِ خودی میں بیان کیا۔ان کی تعلیمات یہ ضابطہ پیش کرنے میں مدد دیتی ہیں‌کہ اپنی خودی کو کیسے مستحکم،مظبوط اور بلند کیا جائے اور یہ بھی واضح کردیاکہ اس خودی کو کونسی شے انفرادی اور اجتماعی سطح پرمنتشر تباہ اور تقسیم کرتی ہے۔1910ئ میں علی گڑھ میں دیے گئے ایک لیکچر میں اقبالؒ فرماتے ہیں ،"معاشرہ،اس میں موجود افراد سے کہیں بڑھ کے ہے، یہ اپنی نوعیت میں لا محدود ہے، معاشرہ میں ان گنت نازائیدہ نسلیں بھی موجود ہیں،جواگرچہ فوری سماجی وژن یا بصیرت کی حدود سے دور ہیں‌مگر انہیں زندہ کمیونٹی کا اہم حصہ سمجھنا چاہیے"(۸)

اس نقطہ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ صاحب اپنی تصانیف میں لکھتے ہیں‌کہ ایک مضبوط اور قومی معاشرہ،ایک حقیقتاً بلندمرتبہ سماجی یا مثالی معاشرہ وہ ہے جو جدید اور تجدید شدہ اسلامی تصورات پر مبنی ہواور یوں ایک متحد،مستحکم مساواتِ انسانی،مناسب تعلیم یافتہ،اخلاقی طور پر آزاد،تکنیکی طور پر تربیت یافتہ، سائنسی طور پر مستحکم،پر امن اور سماجی طور پر جمہوری ہو۔

جہاں معاشرے کی ترقی کیلئے قابل اور اہل نمائندوں کا ہونا ضروری ہے، وہیں‌وہاں عوام کی اخلاقی،سماجی اور اقتصادی فلاح جس کا اقبال نے اظہار کیا ،اس کا ہونا اتنا ہی ضروری ہے۔اقبالؒ فرماتے ہیں "کسی قوم کی ریڑھ کی ہڈی اسکی عوام ہوتی ہے انہیں بہتر تعلیم ،خوراک اورمناسب رہائش ملنی چاہیے"اپنے وقت کی مسلمان کمیونٹی کے نچلے طبقے کے غربت زدہ حالات اور انکے گرد و پیش پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے وہ سوال اٹھاتے ہیں"کیا ہم نے کبھی ادراک کیا کہ ہماری انجمنوں اور لیگز کا فرض ہے، افراد کونہیں بلکہ عوام کو سرخرو کرناہے ،مسلمان سیاسی کارکن کے سامنے سب سے اہم مسئلہ ہے کہ اپنی کمیونٹی کے معاشی حالات کو کیسے بہتر کرے، یہ اسی کا فرض ہے کہ ہندوستان کی عمومی معاشی حالات کابغورجائزہ لے اور ان وجوہات کی تحقیق کرے جو انہیں یہاں تک لائیں" اور اخلاقی اقدار کے زوال کا محرک بنیں۔(۹)

انسانی اخلاقی اقدار کی تاکید و تلقین میں‌سیاسی مضمرات بھی شامل ہیں،اقبالؒ کے سماجی و سیاسی بیانیے میں یوں خوف پرغالب آنااور جرأت و حوصلہ کرنے کو بار بار موضوع بنایا گیا ،کہ انسان اخلاقی ترقی کے اعلیٰ ترین مقام پر تب پہنچتا ہے جب وہ خوف پر قابو پاتا ہے اسلام کے سٹرکچر کومنظم کرنے والا مرکزی ربط یہ ہے کہ خوف انسانی فطرت کا حصہ ہے اور اسلام کا مقصد آدمی کو خوف سے آزاد کرانا ہے اور یوں اس کی شخصیت کااحساس و ادراک دینااور طاقت کے طور پر خود اپنی ذات کا شعور دیناہے۔

اقبالؒ اور نئی نسل:

اقبال کے فکرو فن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی توجہ کیا ہے اور اس سے ز یادہ کیا ہونا چاہیے اور اسی پرا نحصار ہے ،حال سے تنگی اور خوبصورت جہان کی تخلیق کے ذریعے کرنے والے کل کی تمنا اور ان کے زندگی کے فلسفہ موضوع ہیں۔جن کا ذکر ان کی شاعری میں‌بار بار آتا ہے۔اس لحاظ سے وہ آج سے زیادہ کل کے یا حال سے زیادہ مستقبل کے شاعر ہیں۔ان کا مخاطب اپنے سے بڑے بزرگوں اور ہم عمروں سے اتنا نہیں جتنا نئی نسل سے ہے۔اقبال کو یقین تھا کہ نو جوان ہی ان کی تمنائوں کے چراغ اور ا میدوں کے مہکتے ہوئے پھول اور روشن دار سورج ہیں۔ان کی روشنی میں کم آج اور کل تیز ہو گی اور آپ دارے کل کے راستے اس روشنی سے روشن دار ہونگے۔

ذرا تم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی اس سے پہلے کے اس میں اقبال کے ناپنے اور جانچنے کی نوعیت کا جائزہ لیا جائے تو۔یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کے پیغام زندگی کا جامع ساتذکرہ کر دیا جائے اس کے لیے اس کا پیغام زندگی ہی دراصل سے ان کے تعلق کو پڑھتا ہے۔اس میں دو راستے ہیں،کہ اقبال ایک انقلابی فکر کا نام ہے۔ان کا دیکھنے کا ا نداز ،یہ تھا کہ انقلاب کی دوڑ سے بھر پور زندگی قوموں کی زندگی اور فنا کی ضمانت اور بہترین دور سے محروم زندگی، موت کا پیغام ہوتی ہے۔

جس میں نہ ہو انقلاب ،موت ہے وہ زندگی

روح امم کی حیات کشمکش انقلاب(۱۰)

زندگی کا یہ انقلاب کسی وقتی ہیجان یا جذباتی طوفان کا پیش خیمہ ہیں اوریہ اسی سوچ اور فکر و عمل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ایسی خبریں اور سوچ فکر ،جو اپنی دنیا آپ بناتا ہے اپنے طور پر خوبصورت بناتی ہے اور زندگی میں بہت ترقی ہوتی ہے۔قوموں کا شوق اور چاہت آوازاسی پر فکر وعمل سے تحریر ہے۔

ندرت فکر و عمل کیا شے ہے ،ذوق انقلاب

ندرت فکر وعمل کیا شے ہے ملت کا شباب

ندرت فکر و عمل سے معجزات زندگی

ندرت فکر و عمل سے سنگ خار العلِ ناب

یہ محبت کی حرارت، یہ تمنا،یہ نمود

فصل گل میں پھول رہ سکتے نہیں زیر حجاب(۱۱)

یہ ترقی کاشوق یا چیزوں کی فکرو عمل انسان کے مہارت میں ہے اس کی روح میں ان چیزوں کاجمود نہیں‌ہو سکتا، اس کو ہر چیز کو پانے میں قدرت وآسائش ملتی ہے یہ ترقی کی دوڑ زندگی کو مختصر اور ختم ہونے والی صفت میں سے ہے۔اس کے چہرے کبھی ایک سے نہیں رہتے نہ ہی اس کے رنگ ایک سے رہتے ہیں ،یہ بدلتے رہتے ہیں ،لیکن انسان کی روح کبھی فنا نہیں ہوتی اس روح کا دوسر انام " چراغ مصطفوی ﷺ " اوربرداشت ہے،جو خودی ،تزکیہ و تصفیہ سے دستیاب ہوتی ہے۔بد اخلاقی ،شراب جیسی اور ناپاک چیزیں یا شیطان سے ہمیشہ نہ رہنے والی ،اس کا نصیب ہے۔وفا کرنے ،سخت کوشش اور بڑھکتی ہوئی مزاج و شور انگیز اس کے اندر ہے۔وہ اس اپنے اندر بسنے والے راز سے بالکل غافل ہے ،کہ رب لم یزل نے کیسے کیسے اسرار و دقائق سے اسکو مزین کیا ہے۔مزید برآں، قوموں کی زندگی یں‌سکون میں نہیں ،بلکہ سکو ن پانے کی تڑپ ہے، سکون، اس کی نظر میں دھوکہ دینے کے مترادف ہے، جبکہ یہ موت کا ایک حصہ ہے،اس روح کو اسی چیزوں میں لذت ملتی ہے اوریہ اس میں سفر کرنا چاہتا ہے اپنی بھول بھلیوں‌میں الجھ کر پھر اس غلطی کو صیح کرنا، اور بنی ہوئی بات کو بگاڑ دینا اور پھر اس میں تڑپنا ،جلنا اسے ایک علیحدہ سے بہت عجیب طرح کی راحت و آرام اور سکو ن دیتا ہے۔

حیات شعلہ مزاج و غیور و شور انگیز

سرشت اس کی ہے مشکل کشی جفا طلبی

اسی کشاکش پیہم سے زندہ ہیں اقوام

یہی ہے راز تب و تاب ملت عربی(۱۲)

تڑپتا ہے ہر ذرہ کائنات

ٹھہرتا نہیں کاروان وجود

کہ ہر لحظہ تازہ ہے شان وجود

بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند

سفر اس کو منزل سے بڑھ کر پسند

الجھ کر سلجھنے میں لذت اسے

تڑپنے پھڑکنے میں راحت اسے(۱۳)

یہ چیزوں کو پانے کی فکر ہے یا یہ وہ شوق جسکی کارکشائیوں کا ذکر اقبال ادھر بار بار بیا ن کرتے ہیں۔ان کے اسی پختہ ایمان کا جزلاینفیک ہے کہ زندگی روکی ہو، ہمیشہ کی نہیں یہ بجلی کی طرح ایک دم ختم ہونے والی ہے اور اقبال اپنے خوبصورت لفظوں میں اسے لکھتے ہیں،کہ زندگی کو اگر احسن اندازاورکامل ایمان کے ساتھ گزارا جائے یہ جوانمردوبا ہمت ہے، لیکن اگر انسان خود کچھ نہ کرے ،زندگی کو لہو لعب میں گزارے اور یہ خیال کی حد تک سوچ اپنائے رکھے کہ اسے کیسے بہتر کرناہے تو ایسا ممکن نہیں،ا سکو بہتر کرنے کے لیے سخت محنت اور جان کی بازی لگانا پڑتی ہے، تب جاکر گوہر مقصودہاتھ میں‌آتا ہے۔

بزم میں شعلہ نوائی سے اجالا کردیں

اہل محفل کو دکھا دیں اثر صیقل عشق

سنگِ امروز کو آئینہ فردا کر دیں

اس چمن کو سبق آئین نمو کا دے کر

قطرہ شبنم بے مایہ کو دریا کر دیں

گرم رکھتا تھا ہمیں سردی مغرب میں جو داغ

چیر کہ سینہ اسے وقفِ تماشا کر دیں

شمع کی طرح جییں بزم گہ عالم میں

خود جلیں ،دیدہ اغیار کو بینا کر دیں(۱۴)

یہی عزم و حوصلہ جو،ان کے فلسفہ خودی میں سوز جگر عشق و نظر اورنو جوان کے سرمایہ حیات سے تعبیر کیا گیا ہے۔

جوانوں کو سوز جگر بخش دے

مرا عشق میری نظر بخش دے(۱۵)

نوجوانوں کے لیے سفر انگلستان سے پہلے حضرت محبوب الہی دہلوی کے مزار پر دعا مانگی ،ایسی دعا نوجوانوں کے لیے شاید ہی کسی اور کے دل سے کبھی نکلی ہو ،جو انکی اعلیٰ اخلاقی اقدار کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

فلک نشین صفت مہر ہوں زمانے میں

تری دعا سے عطا ہو وہ نردباں مجھ کو

مقام ہم سفروں سے ہوا اس قدر آگے

کہ سمجھے منزل مقصود کارواں مجھ کو

مری زبان قلم سے کسی کادل نہ دکھے

کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسماں مجھ کو

دلوں کو چاک کرے مثلِ شانہ جس کا اثر

تری جناب سے ایسی ملے فغاں مجھ کو

بنایا تھا جسے چن چن کے خارخس میں نے

چمن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو(۱۶)

پھر اک زمانے نے دیکھا کہ اقبال کی دعا حرف بہ حرف قبول ہوئی، وہ اسکا سہارا لئے دشت و صحرا میں اک سایہ دار درخت بن گئے، ان کی شہرت آفتاب بن کر آسماں پر نمودار ہوئی اور نہ صرف اپنے بلکہ ہر دور کے شاعروں سے آگے نکل کر خضرراہ بنے۔ان کے قلم نے کسی کا نہ کبھی دل دکھایا اور نہ کبھی شکایت کی ،ان کی شاعری سے دردمند وں کے دل کو جلا ملی اورغلامی کی زنجیریں توڑیں گئیں اور ملک و قوم کو ان کی زندگی میں نہ سہی ان کی زندگی کے بعد غلامی سے نجات مل گئی،درحقیقت یہی وہ ارادہ و حوصلہ اور لگن تھی جسے اقبال نے جوانی میں پسند کیا، بلکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ غلامی کی وجہ سے جوان سے نہ ہو سکا وہ نئی نسل پورے کرے اور اصل مقصد کی طرف گامزن ہوجائے جیسے کہ ساقی نامہ میں اسکا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں

بڑھے جا یہ کوہ گراں توڑ کر

طلسم زماں و مکاں توڑ کر

جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود

کہ فانی انہیں ہے ضمیر وجود

ہر اک منتظر تیری یلغار کا

تری شوخی فکر و کردار کا(۱۷)

اقبال نے اپنے پیغام زندگی یا فکروفن میں نوجوان کو مخاطب کیا ہے ان کا فلسفہ خودی جس میں قوت اور عمل کو بنیادی حیثیت حاصل ہے ان کی جوانی کی تخلیقی سوچ کی فکرہے۔1907 میں ہی 30سال کی عمر میں فلسفہ خود ی کا خاکہ اپنے ذہن میں تیار کر چکے تھے ،یہ منظم شکل کی صورت میں سات آٹھ سال بعد منظر عام پر آیا لیکن ان کی جوانی کا پورا زمانہ فلسفہ خودی کی تخلیق پر ہی صرف ہوا اوربقیہ زندگی اس فلسفہ خودی کی وضاحت میں گزاری۔اقبال کے فکرو فن اور امیدوں‌کا اصل مرکز نوجوان ہیں۔زندگی بھر وہ نوجوان کی کامیابیوں سے پرامید رہے۔نئی نسل بھی نوجوانوں کے ساتھ اقبال کو خاص لگائو تھا اس کا اندازہ ان کی نظموں‌سے لگایا جا سکتا ہے ،جو کہ گویا نوجوانوں کے بارے میں کہی ہیں اور ان کی کتاب بانگ در ا کے حصہ اول میں سرفہرست ہیں جس میں اقبال نوجوانوں کو خودی و استقلال کا درس دیتے ہیں ایک مکڑی اور مکھی کے عنوان سے یہ بتایا گیا ہے

کہ خوشامد میں آنے سے جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔پہاڑ اور گلہری میں حقیقی لڑائی کا تعلق قدو قامت سے نہیں بلکہ حرکت و عمل سے ہے ،ایک گائے اور بکری کی نظم میں بتایا گیا ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور وہ ساری دنیا کے لیے باعث رحمت ہے۔

بچے کی دعا ہر چھوٹے بڑے کو زبانی یاد ہے اور اس کا اثر دلوں میں نقش ہے ،ماں کا خواب میں غیر ضروری سہارے اور دنیاوی محبت فرد کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کے بارے میں درس دیتی ہے "پرندے کی فریاد-"میں غلامی سے نفرت اور آزادی سے محبت کا اظہار بھی ہے اور درس بھی۔"ہمدردی" والی نظم میں ہمیں ہمدردی کا ہی درس نہیں دیتی بلکہ ظلمت کو روشنی اور بدی کو نیکی میں بدل دینے کا ارادہ و حوصلہ دیتی ہے یہی وہ ارادہ اورحوصلہ ہے جس نے آگے بڑھ کر ظلمت کو روشن کردیا ہے۔

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری

زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری(۱۸)

ٹہنی پہ کسی شجر کی تنہا

بلبل تھا کوئی اداس بیٹھا(۱۹)

فکر اقبال کا امتیازی پہلو:

علامہ کی فکرو نظر قدیم بھی ہے اور جدید بھی نہ وہ ایسی تجدید کو پسند کرتے ہیں جو ہمارے سرمایہ ایمان کو اسلاف سے کاٹتا ہے، جو قرآن و سنت کی مادی خو ساختہ لادینی اور عقلی تعبیر کی بنیاد پر تعلیمات اسلام کا پیہرہ مسخ کرنا چاہتا ہے وہ تجدید جو اسلام کی سزائوں کو فرسودگی اور درندگی سے تعبیر کرتا ہے اور قرآن کے حرام کردہ سود جیسے احکام کے لیے جواز تلاش کرتاہے۔

علامہ کی حیثیت یہ تھی کہ ان کا ایک ہاتھ قدیم پر تھا اور ایک ہاتھ جدید پر تھا وہ حرف رابطہ تھے وہ دین مصطفوی ؐ کا فیض مدینے سے لے کر امت مسلمہ یورپ سے بہتر روشنی دے رہے تھے ارشاد فرماتے ہیں۔

دیکھے تو زمانے کو اگر اپنی نظر سے

افلاک منور ہوں ترے نور سحر سے

خورشید کرے کسب ضیا تیرے شرر سے

ظاہری تری تقدیر ہو سیمائے قمر سے

دریا متلاطم ہوں تری موج گہر سے

شرمندہ ہو فطرت تیرے اعجاز ہنر سے

اغیار کے افکارو تخیل کی گدائی

کیا تجھ کو نہیں اپنی خود ی تک بھی رسائی؟(۲۰)

مذہبی قیادت اور فکر اقبال:

مذہبی زبوں حالی کا حال یہ ہے کہ جب علامہ نے جہاد اور انقلاب کے نعرے بلند کیے اجتہادی اور انقلابی فکر کو فروغ دیا ،اسلامی فکر پر صدیوں سے طاری جمود و تعطل کو توڑنے کی بات کی اور اسلام کوفقط رسمی دین سمجھنے بجائے ایک انقلابی و جہادی دین کے طور پر پیش کیا، تو وہ علماء جو جمود و تعطل پسند کا شکارتھے، اپنے فتووں کی مشینیں لے کر علامہ پر ٹوٹ پڑے ،اسی پر علامہ فرماتے ہیں کہ علماء کی صفوں کے اندر تواتحاد نظر نہیں آتا بلکہ انتشار ہے ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے ہیں نفرتیں ہیں، کدورتیں ہیں،اخلاقی اقدار کی شدید قلت ہے اور وہ ہربات پر مختلف ہیں صرف ایک بات پر متفق ہیں۔

یہ اتفاق مبارک ہو مومنوں کے لیے

کہ یک زباں ہیں فقیہان شہر میرے خلاف(۲۱)

آج ریاست کے سیاسی و مذہبی حالات پر درد مند اورہر محب وطن کے لیے لمحہ فکریہ ہے ،کہ اگر ہم اسی ڈگر پر چلتے رہے ، اپنی سمت نہ بدلی، اپنے آپ کوسنورانے کی کوشش نہ کی ، اپنے احوال حیات میں انقلاب بپا کرنے کے لیے میدان کارزار میں نہ اترے اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کونہ حاصل کیا تو آج جو ملکی حالات ہیں ،مستقبل میں اس سے بھی خطر ناک حالت میں پہنچ سکتے ہیں،تو پھر کوئی چاہے گا بھی تو کچھ نہ کر پائے گا۔علامہ اسی کیفیت کا نقشہ ہمارے سامنے رکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قیس پیدا ہوں تری محفل میں یہ ممکن نہیں

تنگ ہے صحرا ترا، محمل ہے بے لیلا ترا

پھول بے پرواہیں، تو گرم نوا ہو یا نہ ہو

کارواں بے حس ہے، آواز دار ہو یا نہ ہو(۲۲)

علامہ اقبال اشتراکی خیالات اور اخلاقی اقدار کے حوالے سے رقمطراز ہیں ،کہ میرے نزدیک یہ خیالات رکھنا دائرہ اسلام سے خارج ہونے کے مترادف ہے۔میں مسلمان ہوں میرا یہ عقیدہ ہے اور یہ عقیدہ دلائل و براہین پر مبنی ہے کہ انسانی جماعتوں کے اقتصادی امراض کا بہترین علاج صرف قرآن مجیدنے تجویز کیا۔اشتراکیت اوراسکی تباہ کاریوں کو بڑے احسن انداز میں پیش کرتے ہیں کہ یہ اخلاقی اقدار اور اقوام عالم کے زوال کا مسلسل سبب بن رہا ہے۔اقبالؒ اس فکر کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم

بے سود نہیں روس کی یہ گرمی رفتار

اندیشہ ہوا شوخی افکار پہ مجبور

فرسودہ طریقوں سے زمانہ ہوا بیزار

انساں کی ہوس نے جنہیں رکھا تھا چھپا کر

کھلتے نظر آتے ہیں بتدریج وہ اسرار

قرآن میں غوطہ زن اے مرد مسلماں

اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار

جو حرف قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک

اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار (۲۳)

امت مسلمہ کی اخلاقی روایات اور بقاکا راز:

علامہ اقبال اس مسلم ریاست کو اسلامی آئین اور شریعت کی خاطر حاصل کرنے کے حوالے سے یہ بات دو ٹوک طریقے سے کہتے ہیں کہ امت مسلمہ کی بقاء کاراز صرف اور صرف قرآن کے ساتھ تعلق قائم رکھنے میں ہے۔علامہ فرماتے ہیں کہ آئین اور قانون کی بنیادقرآن و سنت پر ہو اور شریعت اسلامیہ کو ناگزیر حدتک اپنایا جائے۔علامہ جس پاکستان کا تصور دے رہے ہیں اور جس کے لیے قائد اعظم کو تحریک بپا کر نے پر آمادہ کر رہے ہیں اس ریاست کو اسلام کے آئین کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں ، علامہ کی شدید خواہش ہے کہ ایک ایسا زمین کا ٹکڑا حاصل کیا جائے جس میں شریعت اسلامیہ اجتہادی اور انقلابی روح کے ساتھ نافذ العمل ہو اور اس میں قرآن و سنت کی بالادستی قائم ہو۔قرآن مجید کو ایک مکمل ضابطہ حیات ،گودسے گو رتک کی زندگی کا آئین قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

تو ہمی دانی کہ آئین تو چیست؟

زیر گردون سر تمکین تو چیست؟ (۲۴)

ایں سخن آراستن بے حاصل است

بر نیاید آنچہ در قعرِ دل است

گرچہ من صد نکتہ گفتم بے حجاب

نکتہ دارم کہ ناید در کتاب

گر بگویم می شود پیچیدہ تر

حرف و صوت او راکند پوشیدہ تر

سوز او را از نگاہ من بگیر

از آہ صبح گاہ من بگیر

مادرت درس نخستیں باتوداد

غنچہ تواز نسیم اوکشاد

از نسیم او ترا ایں رنگ و بوست

اے متاع ما بہائے توازوست

دولت جاوید ازو اندوختی

ازلب او لاالہ آموختی(۲۵)

علامہ فرماتے ہیں کہ انسانی فطرت کا تقاضایہ ہے کہ آدمی کو اگر کچھ مل جائے تو جو اس کی بساط ہے اس کی امیداور اس کی خواہش سے زیادہ مل جائے۔تو وہ اس کا شکر بجالانے کے بجائے اور طلب کی آگ میں جلتا ہے، خواہش کرتا ہے کہ اور مال و متاع ملے

،جس کو اللہ پاک کی ذات شدید نا پسند کرتے ہیں اور اس چیز کے پیچھے بھاگنے سے وہ ادب کا دامن چھوڑ دیتا ہے۔

اقبال فرماتے ہیں کہ آج کل کے دور میں جب نوجوان کی زندگی اس کے اپنے رہنے سہنے کے انداز اور معاشرے میں اسکا کردارد یکھتا ہوں تو میرا دل پریشان ہوتا ہے کیونکہ انسان حضور ؐ کے اخلاق حسنہ سے بہت دور جار ہا ہے، اس کو چاہے کہ اپنی زندگی کو حضور اکرم ﷺ کے اخلاق حسنہ کے مطابق گزارے پر وہ ایسا نہیں کرتا۔اس لیے علامہ اقبال کو اس قوم کا مستقبل تاریک نظر آنے لگتا ہے،کہ اے کاش انسان کو اپنا مقام پتہ چلے کہ پختہ افکار کہاں ڈھونڈے جاتے، کوئی اس زمانے کی رمز شناسی رکھتا ،ہر چیز کو خام مدرسہ عقل کی حدود قیود سے آزاد کر کے اور فرسودہ خیالات سے عاری ہو کر سرمدی محمدی ﷺ کا جام پی کراپنے مقام کو پہچانے۔

مردہ لادینی افکار سے افرنگ میں عشق

عقل بے ربطی افکار سے مشرق میں غلام(۲۶)

شاعر مشرق اپنے معاشرے میں نوجوانوں کی گمراہی اور انتشار ذہنی کا اصل سبب اسلام سے دوری کو قرار دیتے ہیں۔اس معاشرے کے نوجوان کی مغرب اور ان کی ذہنی غلامی کو اختیار کرنا ہے۔ذہنی غلامی ایسی لعنت ہے، کہ جو انسانوں کو ذوق حسن اور اعلیٰ اخلاق اقدار و ایات سے محروم کر دیتی ہے۔مسلمانوں کے فلاح پانے کا صر ف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ اسوہ حسنہ حضور اکرم ﷺ کے اخلاق حسنہ کو اپنا کرہی، انسان اس گمراہی کی دلدل سے باہر آسکتا ہے۔

تری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود

مری نگاہ میں ثابت نہیں وجود ترا

وجود کیا ہے فقط جوہر خودی کی نمود

کر اپنی فکر کہ جو ہر ہے بے نمود ترا(۲۷)

اقبال کو اپنے معاشرے کے نوجوانوں سے یہ بھی گلہ ہے کہ وہ بے عمل اور بے قوت ہوتے جار ہے ہیں،جس سے اسلامی اقدار بالخصوص اخلاق کو زوال کا خطرہ درپیش ہے اور یہ اس قدر تک مضر ہوتا جارہا ہے کہ امت محمدیہ کا نوجوان اپنے معاشرے کے تہذیب و تمدن اورروایات کویکسر بھول چکے ہیں اور اپنے لوگوں کی قدر وقیمت ان کی نظر سے گر تی جار ہی ہے اور مغربی استعماریت اور اس کی قدر میں افاقہ ہوتا جار ہا ہے۔

بال جبریل میں ایک ایک نوجوان کے نام والی نظم میں کہتے ہیں اس بگڑ ے معاشرے کا ذمہ دار جہاں انسان کو ٹھہرا جا رہا ہے، جہاں اس نے آنکھ کھولی اورپرورش پائی اور اس کو اپنا وطیرہ بنا لیااور اس کے معاملات کو ایسے سمجھنے لگا جیسے مغربی کلچر ہی اس کا اصل معاشرہ ہے۔انسان اپنے نبی ﷺ کے درس کو چھوڑنے لگا ،جس سے دنیا میں رسواء ہونے لگا اور کیوں نہ رسواو خوار ہو ،تا جبکہ وہ اپنے پیارے نبی ﷺ کے اخلاق و تعلیمات کو چھوڑ چکا ہے۔ان کے بتائے ہوئے راستے کو بھولتا جارہا ہے۔اگر وہ معاشرے اور آخرت میں کامیابی چاہتا ہے تو حضور اکرم ﷺ کے اصول زندگی اور اخلاقی اقدار کو اپنا شعار بنالے،کہ وہ کس امت سے تعلق رکھتا ہے؟ اس کی زندگی کا مقصد اپنے پیارے نبی ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر زندگی گزار کر سعادت دارین کو حاصل کرے۔

دیں سراپا سوختن اندر طلب

انتہایش عشق و آغازش ادب

آبروئے گل ز رنگ و بوئے اوست

بے ادب بے رنگ و بو،بے آبروست

نو جوانے راچو بینم بے ادب

روزِ من تاریک می گردو چوشب

تاب و تب درسینہ افزاید مرا

یاد عہد مصطفی آید مرا

آدمیت ،احترام آدمی

باخبر شو از مقامِ آدمی

سر دین مصطفی گویم ترا

ہم بقبر اندر دعا گویم ترا (۲۸)

ان اشعار میں اقبال امت محمدیہ کے ہر نوجوان سے مخاطب کرتے ہوئے اس کودین کی اساس اور نبی کریم ﷺ سے عشق کا

تذکرہ تفصیل سے کر رہے ہیں کہ یہ طویل نظم تقریباً ان تمام رموز ونکات کا احاطہ کرتی ہے جو علامہ اقبال مسلمان نوجوانوں تک پہنچانا چاہتے تھے۔ "جاوید نامہ"میں اقبال نے فلک قمر، فلک عطارد، فلک زہرہ، فلک مشتری ، اور سیر آفاقی و انفسی کی سیر پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے ،تاکہ کائنات کے مظاہر پر تدبر و تفکر سے واجب الوجود کی شان جلالت واضح ہو اور امت دین پراستقامت اختیار کرے۔ آن سوئے فلک یعنی آسمانوں سے پرے اک جہان سے دوسرے جہان کی طرف سیر،اس تفکرکو ،جس کو اس امت نے، دنیاوی مال و متاع کے لیے اور غفلت کے پیش نظرچھوڑ دیا اور ریسرچ کو چھوڑ کر جمود و تعطل اور اخلاقی زوال کا شکار ہوگئے اودوسری طرف مغرب نے تحقیق کے میدان میں گوناں‌گو ایجادات ،مریخ اور دیگر کہکشاوں کی کے حقائق سے آشنا ہوئے ہیں۔ علامہ اقبال کی فکر نے ان نوجوانان امت کو دعوت فکر ہے، کہ اُن کی یہ فکر ان تمام تر مسلمانوں کے لیے تھی جو قرآن و سنت سے غفلت ،اخلاقی اقدار وروایات سے روبہ قفا اور تحقیق سے کوسوں دور تھے۔

علامہ کے حقائق اور بلند اخلاقی فکر سے آگاہی وہی حاصل کر سکتا ہے جو ان حقائق کو اچھی طرح سمجھے اور ان حقائق پر غور و فکرکرتا ہو۔ آج وہ اقوام، جو خلاوں میں سفر کرنے کے قابل ہیں‌اور قمری گاڑیوں کے ذریعے چاند ، ستاروں کی دنیا میں اترے ، ظاہرہے کہ یہ لوگ وہی ہو سکتے ہیں ،جو علامہ اقبال کے بعد آنے والی نسلوں سے بھی تعلق رکھتے تھے اور اسکی نظرو فکر سے بھرپور استفادہ کرکے بام عروج کیا۔جس کے ہاتھوں میں واقعی ایسا ہو ااور اس گوہر نایاب کو پاکر، چاند ومریخ وغیرہ کو سفری اسٹیشن بنانے میں کامیاب و کامراں ہوئے۔اس لیے اقبال نے اپنے شعری مجموعوں میں "جاوید نامہ "کو اس مرتبے کی تصنیف کیا ،کہ اس جاوید کے حوالے سے نژادنو کے نام سے مصنون کیا ورنہ اور لمبی کتابیں تھیں جن کا انتخاب وہ جاوید کے نام کرسکتے تھے۔

"ضرب کلیم"میں بھی اس قسم کی ایک لمبی نظم بھی بحر میں ملتی ہے ،جس میں‌اخلاقی اقدار اور قرآن و سنت کو مضبوطی سے تھامنے کا درس ملتا ہے۔اس میں بھی اگرچہ علامہ اقبال کا مخاطب جاوید سے ہے لیکن اس مخاطب کا اطلاق دراصل پوری آنے والی فنی نسل پر ہوتا ہے فرق یہ ہے کہ یہاں اردو میں اسلوب ہے ،لہجہ بھی جاوید نامہ کی طرح ہر شکوہ و بلند آہنگ نہیں بلکہ سادہ و مدھم اور اعلیٰ حسن اخلاق سے مزین ہے۔

غارت گرِدیں ہے یہ زمانہ

ہے اس کی نہاد کا فرانہ

جوہر میں ہولاالہ تو کیا خوف

تعلیم ہو گو فرنگیانہ

شاخِ گل پر چہک ولیکن

کراپنی خودی میں آشیانہ

ہمت ہو اگر تو ڈھونڈ وہ فقر

جس فقر کی اصل ہے حجازی

اس فقر سے آدمی میں پیدا

اللہ کی شانِ بے نیازی

روشن اس سے خرد کی آنکھیں

بے سرمہ بوعلی و رازی

یہ فقر غیور جس نے پایا

بے تیغ و سناں ہے مرد غازی

مومن کی اسی میں ہے امیری

اللہ سے مانگ یہ فقیری (۲۹)

اقبال کو جدید تعلیم یافتہ طبقے سے خصوصاً نوجوانوں‌سے اس بات کی شکایت ہے کہ ان کے ذہن اسلام کی طرف کم اور دوسرے امور میں زیادہ ہیں۔نوجوانوں کی نہ اپنی سوچ ہے اور نہ اپنی ذاتی رائے۔ تخلیق و اختراع کی قوت معدوم ہوتی جارہی ہے ، تقلید کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے اور بے یقینی نے نوجوانوں کو اس طرح اپنی گرفت میں لے لیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے انکار تک سے ان کو کوئی عار محسوس نہیں ہوتی۔وہ اس حقیقت کو یکسرکامل سمجھتے ہیں ،کہ انسان کا جو اپنا نفس ہے، یہی انسان کا سب سے بڑا جوہر ہے ،اگر یہ نا رہا تو عدم و جود یکساں ہے۔اس تہذیب و تمدن اور معاشرے میں اخلاقی روایات کاوجود کھوکھلے پن کے سوا کچھ نہیں۔اقبال ایسے افکارپر المیہ کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ان نظریات کی حامل لوگ

بالخصوص نوجوان نسل تباہی کا شکار ہو جائے گی اور ان کو اس تباہی سے روکنے والا کوئی نہ ہو گا، کیونکہ آنے والی نوجوان نسل اپنے دین ،ایمان اور اسلام سے منہ پھیر کر مغربی طرز زندگی کی طرح راغب ہوتے جارہے ہیں۔جس سے نوجوانوں میں قرآن سے دوری اور اخلاقی پستی کا مسلسل اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

ترا وجود سراپا تجلی افرنگ

کہ تو وہاں کی عمارت گروں کی ہے تعمیر

مگر یہ پیکر خاکی خودی سے ہے خالی

فقط نیام ہے تو،زر نگار و بے شمشیر(۳۰)

لیکن اقبال کو اس بات کا احساس ہے کہ اس بے یقینی و لادینی اور تنقیدی رجحان کا ذمہ دار نوجوانوں سے کہیں زیادہ معاشرہ ہے جس میں نوجوانوں نے آنکھ کھولی ہے اور تربیت پائی ہے اس لیے نوجوانوں کو باز کرنے کی بجائے ، عام طور پر ان کے ماحول یعنی عصرحاضر کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں ا ور معاشرے کی زجر وتوبیخ اصلاحی انداز میں کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

پختہ افکار کہاں ڈھونڈنے جائے کوئی

اس زمانے کی ہوا رکھتی ہے ہر چیز کو خام

مدرسہ عقل کو آزاد تو کرتا ہے مگر

چھوڑ جاتا ہے خیالات کو بے ربط و نظام

مردہ، لادینی افکار سے افرنگ میں عشق

عقل بے ربطی افکار سے مشرق میں غلام !(۳۱)

چوتھے مصرعے میں علامہ کا واضح اشارہ موجو د ہے ،کہ نوجوانوں کی گمراہی اور انتشار ذہنی کا اصل سبب ان کے گرد و پیش کی محکوم فضا اور اس میں سانس لینے والوں کی غلامانہ ذہنیت ہے ،غلامی ایسی لعنت ہے جو انسان کو ذوق حسن اورشان اخلاقی سے محروم کر دیتی ہے۔ محکوم ،خود کو حکومت کا ایک جزو سمجھنے لگتا ہے حالانکہ ہوتا تو صرف یہ ہے کہ جوہر ذاتی خرید لیے جاتے ہیں اور ان پر حکمرانی کی جاتی ہے۔

غلامی کیا ہے ذوق وحسن و زیبائی سے محرومی

جسے زیبا کہیں آزاد بندے، ہے وہی زیبا

بھروسا کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر

کہ دنیا میں فقط مردان حر کی آنکھ ہے بینا (۳۲)

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

حیات شعلہ مزاج و غیور و شور انگیز

سرشت اس کی ہے مشکل کشی ، جفا طلبی

سکوت شام سے تا نغمہ سحر گاہ

ہزار مرحلہ ہائے فغان نیم شبی(۳۳)

فریب نظر ہے سکون و ثبات

تڑپتا ہے ہر ذرّہ کائنات

ٹھہرتا نہیں کاروان وجود

کہ ہر لحظہ ہے تازہ شان وجود

بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند

سفر اس کا منزل سے بڑھ کر پسند

الجھ کر سلجھنے میں لذت اسے

تڑپنے ، پھڑکنے میں راحت اسے(۳۴)

یہ فکر و عمل یا ذوق انقلاب جس کی کارکشائیوں کا ذکر اقبال کے یہاں بار بار ملتا ہے اُن کے عقیدے کا لازمی جزو لاینفیک ہے، کہ زندگی جامدو ساکت نہیں ، نامیاتی و حرکی ہے۔ اقبال کے لفظوں میں جاوداں، پیہم دواں اور ہر دم جواں ہے۔انسانی حیات ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہنے سے سہل نہیں ہوتی ،بلکہ پریشانیاں مزید بڑھتی ہیں اور تفکرات میں اضافہ ہوتا ہے، اس کے خاتمے کے لیے دن رات محنت کرنی پڑتی ہے، بہت سارے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں ، تب جا کر اقوام عالم میں نوجوان ترقی کا دامن تھام سکتے ہیں۔

علامہ کے بقول:

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ

جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی(۳۵)

اس کے لئے نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے اقبال فرماتے ہیں کہ ان سب پر لازم و ملزوم ہوجاتا ہے کہ قرآن و سنت کی رسی اور نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ کو سامنے رکھتے ہوئے، زندگی کی اعلیٰ قدروں کی حفاظت و بقا کے لیے مغرب کے اقدار کش ماحول سے برسر پیکار رہا جائے ،تاکہ انسانی اخلاقی اقدار کو مضبوط عمارت پر استوار کیا جاسکے۔بقول اقبال

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق

جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

موت کے آئینے میں تجھ کو دِکھا کر رُخ دوست

زندگی تیرے لیے اور بھی دُشوار کرے

دے کہ احساس زیاں تیرا لہوگرما دے

فکر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

فتنہ ملت بیضاہے امامت اس کی

جو مسلمان کو سلاطیں کا پرستار کرے(۳۶)

چنانچہ اقبال نے اپنے فلسفہ حیات میں بنیادی حیثیت قوت عمل ہی کو دی ہے۔ان کا خیال ہے کہ صرف طاقتور ہی اپنے ماحول کی تخلیق کر سکتے ہیں اور طاقتور کو ہی اختیا ر ہے، کہ وہ اپنی مرضی سے جو کچھ مرضی کرے۔مفلس کی سُنی نہیں جاتی اور غریب آدمی خود کو ماحول کے مطابق ڈھالنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔قوت میں یہ خاص صفت ہے کہ وہ باطل کو چُھو لیتی ہے اور باطل حق میں بدل جاتاہے ۔طاقتور آدمی روپے پیسے کے زور اورطاقت کے بل بوتے سے سب کچھ کروا سکتا ہے۔سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ میں بدل سکتا ہے۔ اقبال نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ فلسفہ حق کی منطق ہے اور طاقت حق کا عمل ہے۔ انہوںنے اسرار خودی کے مغربی ناقدین کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے نکلسن کو ایک خط میں لکھا تھا کہ "میں تصادم کو سیاسی حیثیت سے نہیں اخلاقیاتی اقدار کی حیثیت سے جانتا ہوں"اس لیے کہ زندگی کے مسائل کا حل نورو حرارت دونوں کا محتاج ہے۔اقبال کا'خیال ہے کہ بندے کا فرض ہے کہ وہ خود کو اس صفت سے متصف کرے۔اسی کے ساتھ انہوں نے یہ بھی واضح کردیا ہے کہ میں روحانی قوت کا قاتل ہوں اور جسمانی قوت پر یقین نہیں رکھتا جبکہ ایک قوم کو حق و صداقت کی حمایت میں دعوت د جائے، تو اس دعوت پر لبیک کہنا اس کا فرض ہے ،گویا اقبال کے نزدیک قوت کا سرچشمہ حق پر انسان کا یقین کامل ہے۔اقبال کے نزدیک ،یقین ایک عظیم قوت ہے، جب میں دیکھتا ہوں کہ میرے ایک نظریے پر کسی شخص کو یقین آگیا ہے، تو اس نظریے کی صداقت پر میرا اعتبار بے انتہا بڑھ گیا ہے اقبال کے یہاں یقین کے کئی نام ہیں ،جنون و عشق، دردو سوز، طلب و جستجو ، زوق و شوق، اور قلب و نظر سب یقین کے مترادفات ہیں یہی زندگی کو رواں دواں رکھتے ہیں یہ انسان کو صفاتِ الیہہ سے ہمکنار کرکے کلیم الہیٰ کے منصب پر فائز کرتے ہیں۔ان ہی کی بدولت اانسان بارگاہے ایزدی میں اوصاف خدا وندی کے بیان کے ساتھ ساتھ اپنے اوصاف کے تذکرے کے ساتھ متصف ہوتا ہے۔

الغرض انسانی ارتقا ء عمل سے مشروط ہے اور علامہ کی شاعری دعوت عمل اور ان کا تصور اخلاق کا مرکزی نکتہ، خودی ہے جس میں چار بنیادی اخلاقی اقدار عشق،فقر،جرات اور حریت کا پیغام دیا ہے۔ان کے ہاں خودی کی بیداری انسان کو اثبات ذات کے لیے عمل پر آمادہ کرتی ہے۔فقر ودیگر اخلاقی اقداراس خودی کی حفاظت کرتی ہیں اور عشق ،عمل کے راستے مینموجود ہر رکاوٹ کو دور کرتاہوا منزل مقصود تک پہنچاتا ہے۔

تو شب آفریدی چراغ آفریدم

سفال آفریدی ایاغ آفریدم

بیابان و کہسار و راغ آفریدی

خیابان و گلزار و باغ آفریدی

من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم

من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم(۳۷)

تو نے رات بنائی،میں نے اس کی تاریکی کو دور کرنے کے لیے چراغ بنایا۔تو نے مٹی بنائی،میں نے پیالہ بنایا۔تو نے جنگل،پہاڑاور میدان بنائے،میں نے خیاباں،گلزار اورباغات بنائے۔میں وہ ہوں جو

پتھر سے آئینہ بناتا ہوں اورمیں وہ ہوں،جوزہر سے مشروب بناتاہوں۔

حوالہ جات

۱۔القلم :۸۴

۲۔مالکؒ،امام، الموطا کتابِ ،مترجم:اختر شاہجہان پوریؒ،لاہور:فرید بک سٹال ،۱۴۰۳ھ،کتاب حسن اخلاق، بابِ ماجاء فی حسن الخلق، ص:۷۵۸

۳۔ترمذی ، محمد بن عیسیٰ، ابوعیسیٰ امام ، سنن ترمذی، بیروت : دارالکتاب العربی ، ۱۴۲۶ھ، کتاب البر والصلۃ ،بابِ ماجاء فی حسن الخلق ، ، حدیث، ۲۰۰۲، ۴/۶۶۰

۴۔غزالی،امام ابو حامدمحمد، احیاء علوم الدین،مترجم:مولانا محمد احسن،لاہور:مکتبہ رحمانیہ، س ن،۳/۷۸

-Nov-https://www.nawaiwaqt.com.pk/09
۵:698205/2017

۶۔اقبال، علامہ، کلیات اقبال فارسی،زبور عجم،حصہ دوم:"خواجہ از خون رگ مزدور سازد لعل ناب "،لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز،س ن، ص :۹۴

۷۔اقبال، علامہ، کلیات اقبال اردو،بالِ جبریل،"دگرگوں ہے جہاں،تاروں کی گردش تیز ہے ساقی "،لاہور: اقبال اکادمی پاکستان ،۱۹۹۰ئ، ص :۲۶/۳۵۰

-Nov-https://dailypakistan.com.pk/09
۸:674611/2017

9:Ibid

۱۰۔ایضاً،بال جبریل، "مسجد قرطبہ"،ص:۹۵/۴۱۹

۱۱۔ایضاً،بال جبریل،"مسولینی "،ص:۱۵۶/۴۸۰

۱۲۔ایضاً،بانگ درا،"ارتقائ"،ص: ۲۳۵/۲۵۱

۱۳۔ایضاً،بال جبریل،"ساقی نامہ "،ص:۱۲۶/۴۵۰

۱۴۔ایضاً،بانگ درا،"عبدالقادر کے نام"،ص:۱۴۲/۱۸۵

۱۵۔ایضاً،بال جبریل،"ساقی نامہ "،ص:۱۲۶/۴۵۰

۱۶۔ایضاً،بانگ درا،"التجائے مسافر"،ص:۱۰۶/۱۲۲

۱۷۔ایضاً،بال جبریل،"ساقی نامہ "،ص:۱۲۶/۴۵۰

۱۸۔ایضاً،بانگ درا،"بچے کی دعا"،ص:۴۹/۶۵

۱۹۔ایضاً،بانگ درا،"ہمدردی"،ص:۵۰/۶۶

۲۰۔ایضاً،ضرب کلیم،"جدت"،ص:۱۳۳/۶۳۳

۲۱۔ ایضاً،بال جبریل،"کمال جوش جنوں رہا ہیں گرم طواف " ،ص:۷۸/۴۰۶

۲۲۔ایضاً،بانگ درا،"شمع اور شاعر"،ص:۱۹۴/۲۱۰

۲۳۔ایضاً،ضرب کلیم،"اشتراکیت"،ص:۱۴۸/۶۴۸

۲۴۔اقبال، علامہ، کلیات اقبال فارسی،رموزبیخودی،"در معنی اینکہ نظام ملت غیر ازئین صورت نبندوئین ملت محمدیہ قرآن است"،ص:۱۲۱

۲۵۔ایضاً،جاوید نامہ،" خطاب بہ جاوید سخنے بہ نژاد نو "،ص:۱۹۹

۲۶۔ایضاً،ضرب کلیم،"عصر حاضر"،ص:۹۴/۵۹۴

۲۷۔ایضاً،ضرب کلیم،"افرنگ زدہ"،ص:۴۶/۵۴۶

۲۸۔ایضاً،جاوید نامہ،" خطاب بہ جاوید سخنے بہ نژاد نو "،ص:۲۰۵۔۲۰۸

۲۹۔ایضاً،ضرب کلیم،"جاوید سے "،ص:۱۰۰/۶۰۰

۳۰۔ایضاً،ضرب کلیم،"افرنگ زدہ "،ص:۴۶/۵۴۶

۳۱۔ایضاً،ضرب کلیم،"عصر حاضر"،ص:۹۴/۵۹۴

۳۲۔ایضاً،بال جبریل،"سما سکتا نہیں پہنائے فطرت میں مرا سودا"،ص:۳۵/۳۵۹

۳۳۔ایضاً،بانگ درا،"ارتقائ"،ص:۲۳۵/۲۵۱

۳۴۔ایضاً،بال جبریل،"ساقی نامہ "،ص:۱۲۶/۴۵۰

۳۵۔ایضاً،بانگ درا،"خضر راہ"،ص:۲۶۷/۲۸۳

۳۶۔ایضاً،ضرب کلیم،"امامت"،ص:۶۲/۵۶۲

۳۷۔اقبال، علامہ، کلیات اقبال فارسی،پیام مشرق،"محاورہ مابین خدا وانسان"،ص:۱۱۴